ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)
ماخذ تحقیقی مجلہ

منیبہ زہرا نقوی
پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف سرگودھا
ڈاکٹر شعیبہ معید
شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

پروفیسر لطیف الزّماں خاں ایک تعارف

Muniba Zahra Naqvi
PhD Scholar, University of Sargodha
Dr. Shoaba Mueed
Department of Urdu, University of Sargodha

Prof. Latif uz Zaman Khan: An Introduction

Latif uz Zaman Khan belonged to Rajputana state of Rajhistan (India). In the aftermath of partition upheavel, he migrated to Pakistan in 1948 and got settled in Karachi.He did Masters in English literature from University of Karachi and embarked upon his career as an educationist. Despite teaching English literature throughout his career, the deepest love for mother tongue (Urdu) never departed his heart. He is famous in literary circles for his research work on Ghalib and Rashid Ahmad Siddiqi.Along with it his meritorious services in the fields of translation, research, editing, letter writing, column writing and character sketching are praiseworthy.

Keywords: *Latif uz Zaman, Rajputana, Migrated, Pakistan, Masters in English, Mother Tonge, Urdu, Galib, Rasheed Ahmed Siddiqui, Letter Writing.*

اولیاء کی سر زمین ملتان کو، ادب کے معتبر حوالوں سے جِلا بخشنے والے لطیف الزّماں خاں، راجستھان کی ریاست میواڑ کے ضلع راجپوتانہ میں ۱۳۔مارچ،۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والدین کی پہلی نرینہ اولاد تھے۔ ان کی پرورش انتہائی ناز و نعم سے کی گئی لیکن تہذیب کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا گیا۔ لطیف الزّماں خاں کے والد محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ مکتب کی تعلیم انھوں نے مولوی احمد حسن دہلوی سے حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں جب فسادات کی آگ بھڑکی تو اُس وقت وہ انٹر میں تھے۔ تعلیم کا سلسلہ اِن فسادات کے باعث ترک کرنا پڑا۔ بعد ازیں ۱۴۔مارچ ۱۹۴۸ء کو کراچی آ گئے۔ لطیف الزّماں خاں کی شادی ان کی ماموں زاد، محترمہ قمر النساء سے جون ۱۹۴۹ء میں علی گڑھ

(یوپی) میں ہوئی۔ شادی کے بعد وہ اپنی اہلیہ کو کراچی لے آئے تو انھیں ابتدائی چند سالوں میں کافی نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُنھوں نے اُردو کالج کراچی یونیورسٹی سے ایم۔اے انگریزی ادبیات میں کیا۔

گورنمنٹ کالج رحیم یار خاں میں بحیثیت لیکچرار انگریزی پہلا تقرر ہوا۔ لطیف الزّماں خاں کو اللہ نے دو بیٹیوں، ڈاکٹر مہ جبیں اور لالہ رُخ اور دو بیٹوں انیس الزّماں اور تنویر الزّماں سے نوازا۔ ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ کالج ملتان میں تبادلہ کیا ہوا کہ پھر زندگی کے آخری سانس تک ملتان میں ہی گزارے اور اسی سرزمین میں آسودۂ خاک ہوئے۔ لطیف الزّماں خاں نے ایک استاد کی حیثیت سے تمام عمر انگریزی پڑھائی لیکن ان کا دلی لگاؤ اپنی مادری زبان اُردو سے رہا۔ تحقیق، تنقید، ترجمہ نگاری، خاکہ نگاری، مکتوب نگاری اور غالب و رشید احمد صدیقی شناسی ان کی ادبی زندگی کے معتبر حوالے ہیں۔ انھوں نے رشید احمد صدیقی کے مکمل ادبی سرمایے کو کتابی شکل میں پیش کیا۔ غالب کے حوالے سے مہر نیم روز اور مکتوباتِ غالب کا ترجمہ لکھا۔ ''غالب آشفتہ سر'' کے عنوان سے پروفیسر نذیر احمد کے تحقیقی مضامین کو کتابی شکل میں مرتّب کیا۔ ''غالب' نکتہ دان'' کے عنوان سے رشید احمد صدیقی کے غالب پر لکھے گئے مضامین مرتّب کیے۔ ''اِن سے ملیے'' کے عنوان سے خاکوں پر مشتمل کتاب ان کی ادبی خاکہ نگاری کی غمّاز ہے۔ جبکہ ''انشائے لطیف'' کے عنوان سے، لطیف الزّماں خاں کے ادباء، شعراء اور مشاہیر کو لکھے گئے خطوط کی پانچ جلدیں ڈاکٹر عارف ثاقب نے مرتّب کیں۔

لطیف الزّماں خاں کو غالب سے عشق اور رشید احمد صدیقی سے بے پناہ عقیدت تھی۔ عشق و عقیدت کے اس امتزاج نے ان کی ادبی زندگی کو پاک و ہند میں جو وقار اور اعتبار بخشا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ لطیف الزّماں خاں، رشید احمد صدیقی سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ وہ رشید احمد صدیقی کی تحریروں سے اس حد تک متاثر تھے کہ ہر باذوق قاری کو ان کی تحریروں سے روشناس کروانا اور اُن کے متفرق ادبی کام کو یکجا کر کے اہلِ ذوق تک پہنچانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے رشید احمد صدیقی کے مختلف النوع ادبی کام کو مرتّب کیا۔ جس طرح علی گڑھ اور اُردو، رشید احمد صدیقی کی زندگی سے الگ نہیں کیے جاسکتے۔ اسی طرح لطیف الزّماں خاں کی علی گڑھ، رشید احمد صدیقی اور اُردو سے عقیدت کے رنگوں کو جدا کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ لطیف الزّماں خاں سمجھتے ہیں کہ اُردو، علی گڑھ اور رشید احمد صدیقی ان تینوں کے بغیر ہر رنگ پھیکا نظر آئے گا۔(۱) لطیف الزّماں خاں کا یہ برملا اعتراف ہے کہ شرافت اور انسانیت کے معنی و مفاہیم، دراصل رشید احمد صدیقی کے ادبی کارناموں کے مرہونِ منت ہیں۔

لطیف الزّماں خاں نے رشید احمد صدیقی سے عقیدت کے اعتراف میں جس ادبی سرمایے کو مرتّب کیا، اُس میں خطباتِ رشید احمد صدیقی، سر سید کا مغربی تعلیم کا تصوّر اور اس کا نفاذ علی گڑھ میں، پیامِ اقبال، شذراتِ رشید احمد صدیقی، عزیزانِ علی گڑھ بخطِ رشید احمد صدیقی، عزیزانِ علی گڑھ، غالبِ نکتہ داں، گنج ہائے گراں مایہ، حصہ دوم، مرشد ذاکر صاحب، ہمارے ذاکر صاحب، خطوطِ رشید احمد صدیقی جلد اوّل، خطوطِ رشید احمد صدیقی جلد اوّل مع ترامیم و اضافہ، خطوطِ رشید احمد صدیقی جلد دوم، جلد سوم، جلد چہارم، جلد پنجم، جلد ششم، جلد ہفتم، جلد ہشتم، تبصرے، تعارف، مقدماتِ رشید احمد صدیقی، میزانِ نثر، جلد اوّل، جلد دوم، جلد سوم، جلد چہارم، جلد پنجم شامل ہیں۔

اس علمی و ادبی سرمایے کو مرتّب کرتے ہوئے انھیں جن مالی و جسمانی اور ذہنی و فکری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اُسے برداشت کرنا عقیدت و مودّت کے بنا ممکن نہ تھا۔ رشید احمد صدیقی کے خطوط کی بازیابی کے سلسلے میں انھوں نے پاک و ہند کے مختلف ادباء و مشاہیر سے رابطے کیے۔ بارہا، ناکامی ہوئی لیکن اُن کے پائے جستجو میں لغزش نہ آئی۔ ہر وہ شخص، جس سے رشید احمد صدیقی کا علمی و ادبی رابطہ رہا۔ لطیف الزّماں خاں نے اُسے تلاش کیا اور رشید احمد صدیقی کے خطوط، مضامین اور متفرقات کو حاصل کیا۔ اس تگ و دَو میں جو دِقّت اور محنت صرف ہوئی اُس کا اندازہ خود رشید احمد صدیقی کو بھی تھا۔ لطیف الزّماں خاں، نظیر صدیقی کے نام، ۲۲۔ فروری ۱۹۷۵ء کو لکھے گئے ایک خط میں، رشید احمد صدیقی کے ایک خط کا اقتباس درج کرتے ہوئے انھیں اس محنت اور ریاضت کا بالواسطہ حوالہ دیتے ہوئے یہ باور کرواتے ہیں کہ آپ کی اور ہماری تگ و دَو سے وہ مضامین بھی مل گئے کہ جو رشید احمد صدیقی کو خود یاد بھی نہ تھے اور فہرست دیکھنے سے یاد آئے۔[۲]

لطیف الزّماں خاں نے رشید احمد صدیقی کے جابجا بکھرے مضامین، خطوط اور خطبات کو مہر الٰہی ندیم کے تعاون سے محض ایک مرتّب کی حیثیت سے یکجا نہیں کیا، بلکہ اس حوالے سے اُن کی تحقیقی بصیرت بھی ان کتب سے بخوبی عیاں ہے۔ خطوط مرتّب کرتے ہوئے، حواشی اور تعارف کے حوالے سے جب تک کام مکمل نہ ہو جاتا، وہ اشاعت کو مؤخر رکھتے۔ مہر الٰہی ندیم کے ساتھ خط و کتابت میں اس حوالے سے واضح اشارے موجود ہیں جن میں وہ انھیں بتاتے ہیں کہ اگرچہ خطوط کے تین مجموعے بیک وقت چھپ سکتے ہیں لیکن حواشی اور تعارف کی عدم دستیابی کے باعث یہ کام مؤخر کیا گیا ہے، جب تک یہ کام مکمل نہیں ہو گا، ان مجموعوں کی اشاعت کا اہتمام اُس وقت تک

نہیں ہو گا۔ یہ محنت، یہ لگن دراصل بحیثیت مرتّب اُس عقیدت اور خلوص کا پتہ دیتی ہے کہ جس سے سرشار ہو کر لطیف الزّماں خاں نے رشید احمد صدیقی کے متفرّق ادبی کام کو یکجا کیا۔

لطیف الزّماں خاں، رشید احمد صدیقی کے حوالے سے، کسی بھی شخص کی جانب سے کوئی ناروا بات یا نامناسب جملہ تک بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ عقیدت کی اسی منزل پر وہ رشید احمد صدیقی کے محض طرفدار ہی نہیں بلکہ ایک ایسے سپاہی کی مانند، میدانِ ادب میں اتر آتے ہیں کہ جس کے ہاتھ میں تلوار تو نہیں ہے البتہ اس کے قلم کی دھار اور زبان کی کاٹ ایسی ہے کہ جس کی بدولت وہ مدِّمقابل کو پچھاڑ کے رکھ دیتے ہیں۔ خطباتِ رشید احمد صدیقی کا دیباچہ بعنوان "آئینہ کیوں نہ دوں؟" میں انھوں نے بہت سے ادبی سورماؤں کو قلم کی دھار پر رکھ لیا اور تا حیات نہ بخشا۔ رشید احمد صدیقی شناسی کے طور پر انھوں نے جس محنت، جانفشانی اور خلوص سے اس ادبی کام کو یکجا کیا اور اس حوالے سے اپنی صحت، گھر بار، بیوی بچوں، آرام و سکون سب کو پس پشت رکھتے ہوئے، اپنی گریجوایٹی کی جمع پونجی کو جس طرح رشید صاحب کی کتابیں چھپوانے پر صرف کر دیا اور ہر ماہ ملنے والی پنشن میں سے پس انداز کر کے ہر سال رشید صاحب کی ایک ایک کتاب چھپواتے رہے۔(۳) یہ یقیناان کے بے پایاں خلوص اور بے کراں عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

لطیف الزّماں خاں نے ان کتب کو مرتّب کرتے ہوئے جن مشکلات کا سامنا کیا وہ اپنے خطوط میں بارہا اس کا تذکرہ کرتے تھے۔ کتابت کے مسائل، پروف کی غلطیوں، پبلشرز کی طرف سے تساہل اور لاپرواہی یہ سب کچھ انھوں نے برداشت کیا مگر وہ خطوط، مضامین اور متفرقاتِ رشید احمد صدیقی کو مرتّب کرتے ہوئے پُرعزم بھی رہے اور پُرامید بھی۔ اُن کے مختلف احباب کو لکھے گئے خطوط، اُس محنت اور لگن کی داستان مرتّب کرتے دکھائی دیتے ہیں جو انھوں نے رشید احمد صدیقی کے خطوط اکٹھے کرتے ہوئے صرف کی۔

لطیف الزّماں خاں نے نہ صرف رشید احمد صدیقی کے متفرّقات کو ادب شناسوں کے ہاتھوں تک پہنچایا بلکہ مختلف لائبریریوں میں گوشۂ رشید احمد صدیقی بنوائے اور ایک خطیر رقم صرف کر کے ان گوشوں میں کتابیں بھجوائیں۔ اس حوالے سے انھوں نے غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، کراچی یونیورسٹی، بیتُ الحکمت کراچی اور بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں اپنی ذاتی کوششوں سے گوشۂ رشید احمد صدیقی قائم کروائے۔ لطیف الزّماں خاں ان تمام حضرات کو جنھوں نے رشید احمد صدیقی کی تحریروں اور خطوط کی بازیافت میں دستِ تعاون دراز رکھا، ہمیشہ یاد رکھتے اور شکریہ ادا کرتے تھے۔ مہر

الٰہی ندیم کے تعاون پر وہ ہمیشہ شکر گزار رہے اور یہی وجہ تھی کہ انھوں نے مرتّب کی حیثیت سے ہر کتاب پر مہر الٰہی ندیم کا نام پہلے اور اپنا بعد میں درج کیا۔ رشید احمد صدیقی کی مرتّب کردہ تمام کتابوں کے دیباچے، پیش لفظ اور معروضات اُن اشخاص کے لیے ہدیۂ تشکر سے پُر ہیں، جنھوں نے اس کٹھن کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں تعاون کیا۔ اس کے ساتھ ہر پیش لفظ میں یہ استدعا بھی موجود ہے کہ جس کسی کے پاس رشید احمد صدیقی کا کوئی خط، یا کوئی تحریر ہو تو وہ مرتّبین، تک پہنچائے تا کہ اُسے اگلی اشاعت میں شامل کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ حواشی، تعلیقات اور تعارف کے سلسلے میں اُن کی رشید احمد صدیقی کے رفقاء، صاحبزادوں اور مہر الٰہی ندیم سے خط و کتابت، علی گڑھ اور کراچی کے سفر اس تحقیق اور جستجو کا پتا دیتے ہیں جو اس ادبی کام کو مکمل کرنے کے سلسلے میں اُن کے شاملِ حال رہی۔

لطیف الزّماں خاں کا دوسرا اہم ادبی حوالہ غالب شناسی ہے۔ لطیف الزّماں خاں صرف غالب سے بے انتہا متاثر ہی نہیں تھے بلکہ وہ غالب کے عشق میں یوں ڈوبے ہوئے تھے کہ غالب کے حوالے سے کسی جعل سازی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ غالب کے حوالے سے جہاں کہیں کوئی کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوتی، لطیف الزّماں خاں کے کتب خانے کی زینت بنے بنا نہیں رہ سکتی تھی۔ غالب سے متعلق ہر خبر ہر رسالہ، مختلف اوقات میں مرتّب کیے گئے، دیوان اور مضامین لطیف الزّماں خاں کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتے تھے۔ غالب سے عشق و لگن کی یہ داستان اُن کے بچپن کی سنہری یادوں سے مربوط ہے۔ اپنے والد سے سکول میں، روزانہ پڑھائے جانے والے اسباق کی بات کرتے ہوئے جب وہ فارسی کے مضمون کا ذکر کرتے تو ان کے والد فارسی سے شغف رکھنے کی بنا پر فارسی اشعار سنا کرتے اور پھر دیگر شعراء کے ساتھ ساتھ غالب کے فارسی اشعار سناتے۔ یوں غالب کی شخصیت اور شاعری، لطیف الزّماں خاں کے شعور میں ایسے رچ بس گئی کہ پھر تا حیات وہ غالب سے اور غالب اُن سے جدا نہ ہوئے۔ اُن کا کتب خانہ، غالبیات کے حوالے سے پاک و ہند کے کتب خانوں میں دوسرے اور پاکستان بھر کے کتب خانوں میں اولیّت کا حامل رہا۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل انھوں نے عمر بھر کی یہ جمع پونجی بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کی نذر کر دی۔ لطیف الزّماں خاں کے کتب خانے میں غالب کے حوالے سے ہر نایاب کتاب، قلمی نسخے، غالب نمبر پر مشتمل رسائل، متفرّق مضامین، غالب کے مختلف سنین میں شائع ہونے والے دیوان، کمیاب تحقیقی و تنقیدی کتب، مہرنیم روز کا نادر و نایاب مخطوطہ وغیرہ شامل تھے۔ بحیثیت مترجم انھوں نے مکتوباتِ غالب، نامہ ہائی فارسی غالب مرتّبہ سیّد اکبر علی ترمذی کا اُردو ترجمہ کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے "مہرنیم روز" کے نایاب مخطوطے کا بھی اُردو ترجمہ بھی کیا۔ اس ترجمے کے حوالے سے اُن کی علمی و ادبی اور تحقیقی کام کا جائزہ لیا

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

جائے تو یہ بات بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ اُن کی شخصیت میں تنقیدی شعور اور تحقیقی بصیرت کا حسین امتزاج تھا۔ "مہرِ نیم روز" کے حوالے سے جہاں اُنھوں نے ایک مترجم کے فرائض پورے کرنے کی کوشش کی، اُس کے ساتھ ساتھ ایک مدّون کی ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ توضیحِ متن اور تصحیحِ متن کے فرائض پورے کرتے ہوئے اُنھوں نے ترجمے کو زیادہ وقیع بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ "مہرِ نیم روز" کے حوالے سے اُن کی مخطوطہ شناسی اور مخطوطہ فہمی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ لطیف الزّماں خاں نے غالب کے حوالے سے دو کتابیں مرتّب کیں، جن کے نام "غالبِ نکتہ داں" اور "غالبِ آشفتہ سر" ہیں۔

"غالب نکتہ داں" رشید احمد صدیقی کے غالب کے بارے میں متفرّق مضامین پر مشتمل کتاب ہے جبکہ "غالبِ آشفتہ سر" ڈاکٹر نذیر احمد کے غالب کی شاعری پر فارسی شعراء کے اثرات اور غالب کے بعض اشعار کی تفہیم سے متعلق ادبی و علمی مضامین کا ایک مرّقع ہے۔ اِن کتب کے علاوہ، لطیف الزّماں خاں نے مختلف ادبی و تحقیقی رسائل میں غالب کے حوالے سے مضامین بھی لکھے۔ ان رسائل میں شانِ ہند، دہلی، طلوعِ افکار، کہسار، ارتقاء، نقوش، ماہِ نو، ماہنامہ سورج، تکبیر، ہزارہ ٹائمز اور مسلک وغیرہ شامل ہیں۔ یہ مضامین اُن کی غالبیات پر دسترس اور تحقیقی شعور کی عکاسی کرتے ہیں۔ انھی مضامین میں انھوں نے غالب کے حوالے سے ہونے والی دو اہم جعلسازیوں کا پردہ بھی چاک کیا۔ اِن میں سے ایک "دیوانِ غالب، بخطِ غالب، نسخۂ امروہہ کی بحث اور دوسری دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ کی بحث ہے"۔ "دیوانِ غالب، بخطِ غالب" نثار احمد فاروقی کا دریافت کردہ اور بقول لطیف الزّماں خاں، نثار فاروقی کا پیش کردہ جعلی نسخہ تھا۔ جبکہ دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ، ڈاکٹر سیّد معین الرحمن کا پیش کردہ نسخۂ غالب تھا جو لطیف الزّماں خاں کے مطابق دراصل پنجاب یونیورسٹی کا گم شُدہ قلمی نسخہ تھا۔ اِن دونوں حوالوں سے لطیف الزّماں خاں نے مکمل تحقیقی اور ادبی شعور سے کام لیتے ہوئے، غالب کے حوالے سے تمام ممکنہ معلومات اور وسائل سے کام لیتے ہوئے مباحث پیش کیے۔ اُنھوں نے پاک و ہند کے ہر غالب شناس سے رابطہ کیا۔ اس حوالے سے ان کے علما، ادبا، مشاہیر اور غالب شناسوں کو لکھے گئے خطوط انتہائی اہمیّت کے حامل ہیں۔

لطیف الزّماں خاں اِن ادبی جعلسازیوں پر سخت مضطرب ہوئے، اپنا نقطۂ نظر، استدلال سے پیش کیا اور یہ ثابت کیا کہ نسخۂ امروہہ اور نسخۂ خواجہ ادبی بددیانتی کے مرتکب افراد کے بیمار ذہنوں کا شاخسانہ ہیں۔ اس حوالے سے انھوں نے پاک و ہند کے غالب شناسوں اور ادبی شخصیات، ڈاکٹر قدرت نقوی، ڈاکٹر انصار اللہ نظر، ڈاکٹر حنیف نقوی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر اجمل نیازی، ڈاکٹر خلیق انجم، خلیل الرحمن داؤدی، گیان چند جین اور ہر اُس شخص

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

سے رابطہ کیا جو غالبیات سے شغف رکھنے والا اور اُردو ادب کا پروردہ تھا۔ لطیف الزّماں خاں اُس وقت تک آواز بلند کرتے رہے، لکھتے رہے اور ہر دَر کھٹکھٹاتے رہے جب تک ان دونوں جعلسازیوں کا منطقی انجام سامنے نہ آیا۔

لطیف الزّماں خاں کی یہ کوشش ڈھکی چھپی نہ رہیں بلکہ انھوں نے پاک و ہند کی سر کردہ شخصیات اور اداروں سے رابطے کیے۔ حتیٰ کہ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی تک کو ڈاکٹر معین الرحمن کی کے نسخۂ خواجہ کے حوالے سے خط لکھا۔ جب ان کی درخواست پر اس معاملے کی تحقیقات شروع ہوئیں تو ڈاکٹر اجمل نیازی نے اس حوالے سے اپنے کالم میں لکھا کہ اس حوالے سے بہادر ماہرِ غالبیات، پروفیسر لطیف الزّماں خاں کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں کہ جن کی وجہ سے وی سی صاحب نے فوری طور پر پرنسپل اورینٹل کالج، اکرم چوہدری کو رپورٹ پیش کرنے کو کہا۔(۴)

غالب سے اُن کا عشق کوئی ڈھکا چھپا نہیں تھا بلکہ وہ ہر اُس شخص سے محبت اور اُنس رکھتے تھے جو غالب کا پرستار ہو جیسا کہ کالی داس گپتا رضا سے اُن کی دوستی، غالب ہی کی قدرِ مشترک کی وجہ سے تھی اور وہ خود بقولِ غالب:

”غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست“

کے مصداق وہ ہر غالب شناس کے قدر دان اور ہر غالب پرست کے گرویدہ رہے۔ وہ غالب سے متعلق ہر خبر سے باخبر اور ہر نئی کتاب کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ مہر الٰہی ندیم کے ساتھ ان کی خط و کتابت میں متعدد ایسے اشارات ملتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غالب پر چھپنے والی ہر کتاب کے کس قدر منتظر اور شائق رہا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ برملا کہتے کہ اگر کوئی کتاب چھپ چکی ہو اور میں نہ پاؤں تو میری بے قراری حد سے سوا ہو جاتی ہے۔

صرف ایک یہی نہیں کہ اُن کے کتب خانے میں غالب سے متعلق ہر کتاب، ہر حوالہ اور ہر سطر موجود تھی۔ بلکہ اس حوالے سے وہ طلبہ، اساتذہ اور محققین کے لیے ہمیشہ اپنا دَر اور دل کھلا رکھتے تھے۔ سکالرز کو ممکنہ مواد کی فراہمی کے لیے وہ کبھی تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کرتے بلکہ موضوع کے انتخاب اور مواد کی ترسیل کے لیے بھی تمام ممکنہ وسائل استعمال کرتے ہوئے ممد و معاون رہتے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ غالب پر کتب ہی کے رسیا تھے بلکہ وہ غالب کے نام کو بھی وہی عزت اور احترام بخشتے تھے، جو احترام ذخیرۂ غالبیات کے لیے رکھتے تھے۔ اس حوالے سے بات کرتے ہوئے ان کی بیٹی ڈاکٹر مہ جبیں بتاتی ہیں کہ غالب سے اُن کے عشق کا یہ عالم تھا کہ کہیں پر اگر کوئی کاغذ کا ٹکڑا بھی گرا ہوا ملتا اور اُس پر غالب کا نام لکھا ہوتا تو وہ اُسے بھی سنبھال کر رکھ لیتے تھے۔(۵)

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

فرح ذبیح اور ایک طالبہ صائمہ کے غالب کے حوالے سے مجوزہ موضوعات کے سلسلے میں وہ جس قدر متفکّر رہے اور مہر الٰہی ندیم کو بار بار خطوط میں مواد کی فراہمی کے سلسلے میں تعاون اور مختلف احباب سے رابطے کرنے کو کہا وہ لطیف الزّماں خاں کے اُس جذبۂ ایثار کی نشاندہی کرتے ہیں، جو وہ طلبہ اور سکالرز کی علمی تشنگی دور کرنے کے لیے اپنے اندر رکھتے تھے۔ مہر الٰہی ندیم کو خط میں فرح ذبیح کے مقالے سے آگاہ کرتے ہوئے لکھتے کہ میرے بھائی ایک بات غور سے سن لیجیے۔ میری دو بیٹیاں ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ فرح ذبیح میری تیسری بیٹی ہے۔(۶) اُن کے متعدد خطوط اِن طالبات کے لیے موضوعات اور مواد کی فراہمی پر تعاون اور حوالہ جات کے سلسلے میں مدد کی درخواست سے پُر ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ طالبانِ علم کی علمی تشنگی دور کرنے کے لیے کس حد تک کوشاں رہتے تھے۔

ان کا کتب خانہ ذخیرۂ غالبیات کے بہترین مواد پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر ایّوب شاہد نے شروحِ غالب پر پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ تحریر کیا تو اس حوالے سے کتب خانۂ لطیف الزّماں خاں تک بھی جا پہنچے۔ اس حوالے سے بات کرتے ہوئے وہ اعتراف کرتے ہیں کہ مجھے چند اہم شروح ملتان میں پروفیسر لطیف الزّماں خاں سے ملیں اور مجھے یہ سوچ کر افسوس ہوا کہ میں نے بے وجہ دوسری جگہوں کے چکر لگائے، اگر میں پہلے ہی یہاں آجاتا تو کوئی دقّت نہ اٹھانی پڑتی۔(۷)

یہ اعتراف لطیف الزّماں خاں کی غالب شناسی اور ذخیرہ غالبیات کی وقّعت و اہمیّت بخوبی عیاں کرتا ہے۔ غالبیات کے حوالے سے لطیف الزّماں خاں کی ترجمہ نگاری، بحیثیت مرتّب کاوشیں، نسخۂ خواجہ اور نسخۂ امروہہ کے حوالے سے تنقیدی اور تحقیقی مضامین اور گوشۂ غالبیات اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ غالب پرستوں اور غالب شناسی کی ہر راہ، لطیف الزّماں خاں کے کتب خانے سے ہو کر نکلتی ہے۔

لطیف الزّماں خاں کی ادبی زندگی کا ایک اور اہم ترین حوالہ ان کی مکتوب نگاری بھی ہے۔ "انشائے لطیف" کے عنوان سے خطوطِ لطیف الزّماں خاں کی پانچ ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ جس سے پاک وہند کے مختلف شعرا، ادبا، مشاہیر، ناقدینِ ادب، احباب اور دیگر شخصیات کے نام ہزاروں کی تعداد میں خطوط شامل ہیں۔ اِن شخصیات میں رشید احمد صدیقی، رشید حسن خان، مالک رام، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر شارب ردولوی، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، کالی داس گپتا رضا، وارث علوی، ڈاکٹر انصار اللہ نظر، امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر خلیق نظامی، ڈاکٹر مختار الدین آرزو، ڈاکٹر عبد الحق، ڈاکٹر جمیل جالبی، احسان رشید صدیقی،

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

اقبال رشید صدیقی، ڈاکٹر خورشید الاسلام، شاہد علی خان، ڈاکٹر حکیم ظل الرحمن، معین احسن جذبی، حمایت علی شاعر، اسلوب انصاری، ڈاکٹر عبد القوی دسنوی، وزیرُ الحسن عابدی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر حنیف نقوی، ڈاکٹر عارف ثاقب، احمد ندیم قاسمی، غلام رسول مہر، ڈاکٹر اسلم فرخی، محمد طفیل محمد نقوش، ڈاکٹر اجمل نیازی، مہر الٰہی ندیم (علیگ)، نظیر صدیقی، ڈاکٹر انوار احمد، قدرت نقوی، پروفیسر ظہور احمد اعوان، سجاد مرزا، ڈاکٹر ہارون رشید اور ڈاکٹر محمد علی صدیقی شامل ہیں۔ اِن تمام شخصیات کے، لطیف الزّماں خاں کو لکھے گئے خطوط انھوں نے اپنی زندگی میں بغیر کسی معاوضے کے جھنڈیر لائبریری میلسی کو دے دیئے تھے۔ لطیف الزّماں خاں کے یہ مکتوبات محض، خط برائے خط نہیں ہیں۔ ان مکتوبات میں کہیں فکشن کی تنقید کے حوالے سے ناول، ناولٹ اور افسانے پر سیر حاصل تبصرے موجود ہیں تو کہیں، غزل، نظم، مرثیہ اور متفرّقاتِ نظم و نثر پر مباحث موجود ہیں۔ ان کے تبصرے پاک و ہند کی سرحدوں تک محدود نہیں بلکہ یہ مغرب و مشرق دونوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

ادبی شخصیات، غالبؔ، اقبالؔ، رشید احمد صدیقی، قرۃ العین حیدر، ابو الفرج، ڈاکٹر احسن فاروقی، اسلوب احمد انصاری، اسلم انصاری، اخلاق احمد دہلوی، سجّاد باقر رضوی، پال کلی، ڈاکٹر جمیل جالبی، حسن عسکری، ڈاکٹر حنیف نقوی، رفیق خاور، سلیم احمد، ڈاکٹر سلیم اختر، سر سیّد احمد خان، شورش کاشمیری، ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی، مسعود مفتی، مسعود اشعر، مختار مسعود، ممتاز شیریں، ڈاکٹر ظ۔ انصاری، ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، ظہور نظر، قاضی عبد السّتّار، ڈاکٹر عامر سہیل، ڈاکٹر عارف ثاقب، ڈاکٹر عندلیب شادانی، کالی داس گپتا رضا، گوپی چند نارنگ، مشتاق یوسفی، ڈاکٹر وزیر آغا، سیّد وقار عظیم، ہنس راج رہبر وغیرہ کے بارے میں ان کے خطوط نئے علمی و تحقیقی رجحانات سے روشناس کرواتے ہیں۔ یہ خطوط، خود لطیف الزّماں خاں کی ادبی زندگی کا مرّقع بھی ہیں۔ یہ خطوط، برّصغیر پاک و ہند کے ادبی معرکوں اور ادبی شخصیات کی شخصی تفہیم پیش کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ یہ خطوط زندگی کے، آگہی کے، ادب کی جمالیاتی اقدار کے سیاست اور تہذیب و ثقافت کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی صورتِ حال کی بڑی واضح ترجمانی پیش کرتے ہیں۔ ان خطوط میں دوستوں کے قصے بھی ہیں۔ غم کی شاموں کا تذکرہ بھی ہے، خوشیوں کی برساتیں بھی ہیں۔ کہیں اپنوں سے بچھڑنے کا درد ہے تو کہیں ملاقاتوں کی رعنائیاں اور بزمِ دوستاں کا تذکرہ ہے۔ مگر ان سب کے ساتھ ساتھ جو چیز بڑی واضح، جاندار اور بہت زیادہ محسوس کی جاسکتی ہے، وہ اُردو ادب کی خدمت، اُردو ادب کے لیے اُن کا خلوص اور محققینِ ادب کو سچائی اور راستی کی راہوں پر چلنے کی تلقین ہے۔ لطیف الزّماں خاں کے خطوں میں نصیحت ہے، رہنمائی ہے، روشنی ہے، تحقیق ہے، تقابل ہے، دیانتداری ہے، علم کی جستجو ہے، تلاشِ سفر کی روداد ہے، غم اٹھانے اور غم

برداشت کرنے کا حوصلہ ہے اور اِن سب کے ساتھ ساتھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ اِن مکتوبات کے پیرایے میں علّامہ اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر کی صورت عندیہ دے رہے ہوں:

عشق را ما دلبری آموختیم
شیوۂ آدم گری آموختیم

ڈاکٹر عارف ثاقب، لطیف الزّماں خاں کی مکتوب نگاری پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے شک وہ کچھ باتیں بار بار دہراتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے خطوط میں یادداشتوں کا تاثر جھلکتا ہے اور مختلف معاشرتی رویوں کی عکاسی نظر آتی ہے۔(۸)

اگر ان خطوط کو ادبی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ ایک عہد، ایک زمانے اور ایک تاریخ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ لطیف الزّماں خاں کے خطوط میں نظم و نثر کی مختلف اصناف پر مباحث بھی ملتے ہیں۔ وہ اِن مباحث کو پیش کرتے ہوئے اس انداز میں تنقیدی آراء پیش کرتے ہیں کہ جیسے ایک منجھا ہوا محقق بڑی باریک بینی سے تجزیہ پیش کر رہا ہو۔ وہ مغرب و مشرق کے نئے ادبی رجحانات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ سجاد مرزا سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے ایک خط میں وہ انگریزی ادب میں تنقید و تفہیم اور نو تاریخیت سے آگاہ کرتے ہوئے یہ باور کرواتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے تنقیدی رجحانات سے وہ بخوبی آگاہ ہیں۔

لطیف الزّماں خاں کے ڈاکٹر عارف ثاقب کو لکھے گئے خطوط ادبی اسلوب کا رنگ لیئے ہوئے ہیں۔ ان خطوط میں وہ مختلف شعرا کے نظم پاروں، غزل، افسانے اور اصنافِ ادب پر مختلف حوالوں سے تبصرہ اور تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔ نظم ''گوتم کا آخری وعظ'' پر اُن کا تبصرہ بہترین تنقیدی شعور کا غمّاز ہے۔ ڈاکٹر سجّاد مرزا، ڈاکٹر ظہور احمد اعوان اور پروفیسر نظیر صدیقی کے نام خطوط میں بھی اہم ادبی مباحث جابجا ملتے ہیں، جو لطیف الزّماں خاں کے خطوط کو ایک اہم ادبی اور تحقیقی دستاویز کا سا حسن عطا کر دیتے ہیں۔ لطیف الزّماں خاں کے خطوط کا تجزیاتی و تحقیقی مطالعہ اس بات کا پتا دیتا ہے کہ وہ تحقیق کو منطقی انجام تک پہنچانے کے قائل ہیں۔ کوئی حوالہ، کوئی بات، کوئی جملہ وہ بلا تحقیق درج نہیں کرتے۔ ڈاکٹر انصار اللہ نظر ان کے خطوط کو ایک مفید سرمائے اور اہلِ تحقیق کے لیے انتہائی کارآمد دستاویز کا درجہ دیتے ہیں۔

لطیف الزّماں خاں، غالب کی طرح خط تواتر سے لکھتے ہیں۔ ان کی اس عادت میں شاید ہی کوئی ان کا مدِمقابل ہو، وہ خط ملتے ہی خط کا جواب لکھتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا کہ ''ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم

نکلے" کے مصداق وہ ہمہ وقت مکتوب نویسی میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ خط لطیف الزّماں خاں کی نجی زندگی کے بعض بھید بھی کھولتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر عارف ثاقب کو لکھے گئے ان کے خطوط میں روانی، سلاست، بے تکلّفی، مزاح اور نجی زندگی کے حالات و واقعات اور دل کی باتوں کا تذکرہ جس رنگ میں پایا جاتا ہے وہ دیگر احباب اور دوستوں کو لکھے گئے خطوط میں اس طور نہیں ہے۔ اگرچہ پروفیسر نظیر صدیقی اور مہر الٰہی ندیم کے نام لکھے گئے خطوط میں بے تکلفی اور نجی زندگی کے بعض رنگ ملتے ہیں مگر یہ تذکرہ بہت کم ہے۔ ڈاکٹر عارف ثاقب کو لکھے گئے خطوط میں اس تذکرے میں یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ اپنا دل کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ غالباً اُن کی ڈاکٹر عارف ثاقب سے وہ مودّت اور اپنائیت ہے، جو لطیف الزّماں خاں جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو بھی دل کھول کر رکھ دینے پر اکساتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ اُن کی زندگی میں ڈاکٹر عارف وہ دوسرے انسان ہیں جن کے خط کا شدید انتظار رہا ہے۔ پہلے انسان کی بابت بات کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ پہلا انسان وہ جس کا اُردو، فارسی اور انگریزی ادبیات کا مطالعہ قابل رشک تھا اور طویل عرصہ تک جسے خط لکھتے یا خط کا جواب لکھتے ہوئے دس مرتبہ سوچتا تھا اور پھر یہ ہوا کہ "صحبتِ یار آخر شُد"۔ (۹)

ناول، افسانے، ڈرامے، افسانہ نگاروں، ناقدین اور اُردو ادب کی اہم شخصیات کے بارے میں بڑے مدّلل اور تجزیاتی پیرایے میں وہ اپنے خطوط میں بحث کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی یہ آراء اس بات کا پتا دیتی ہیں کہ انھوں نے ادب کی مختلف جہات اور شخصیات کا بخوبی مطالعہ کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اچھے افسانہ نگار اور ناول نویس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے کرداروں میں زندگی کی حرارت بھر دیتے ہیں اور زندگی کی بو قلمونیاں ان کرداروں کے پیکر میں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔

لطیف الزّماں خاں کے خطوط انسانی زندگی کی طرح جذبات اور احساسات سے بھرپور ہیں۔ ان مکتوبات میں زندگی کے متنوّع رنگ جھلکتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی خفگی، کبھی دل لگی، کبھی نئے افکار کا، کبھی زندگی کے مختلف ادوار اور مسائل کا تذکرہ، الغرض زندگی کی بو قلمونیوں کی طرح یہ خطوط بھی متنوّع رنگوں کے مالک ہیں اور یہ خطوط ادبی اور تحقیقی اسلوب سے لبریز ہیں۔

لطیف الزّماں خاں نے ادبی کالم نویسی بھی کی۔ "امروز" ملتان میں ان کے کالم، ادبی صفحات پر "اِن سے ملیے" کے عنوان سے چھپتے رہے۔ یہ کالم مختلف ادبی شخصیات کے خاکوں پر مشتمل تھے۔ اُردو خاکہ نگاری کے باب میں، لطیف الزّماں خاں کے لکھے گئے خاکے، اُردو ادب کی خاکہ نگاری میں لطیف اضافے کی صورت ہمارے سامنے

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

آتے ہیں۔ یہ خاکے، لطیف عارف اور سہیل ربّانی کے نام سے "امروز" ملتان میں چھپتے رہے۔ بعد ازیں، سید عامر سہیل نے خان صاحب کی اجازت سے سطور پبلی کیشنز ملتان سے، ۱۹۹۸ء میں "اِن سے ملیے" طبعِ اوّل کے طور پر شائع کیا جس میں سولہ شخصیات کے خاکے شامل ہیں۔ جبکہ طبع دوم "اِن سے ملیے" ڈاکٹر علی اطہر شوکت نے مرتّب کی جس کے ناشر ملتان آرٹس فورم، ملتان ہیں۔ اس کتاب میں پندرہ شخصیات کے نام خاکے شامل ہیں۔ لطیف الزّماں خاں کی وفات کے بعد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خاکوں پر مشتمل کتاب، "اِن سے بھی ملیے" کے عنوان سے ڈاکٹر ابرار عبد السّلام نے بیکن بکس ملتان سے، ۲۰۱۸ء میں شائع کی۔ لطیف الزّماں خاں نے جن شخصیات کے خاکے لکھے، انھیں ان کے ادبی قد و قامت کے موافق مختلف القاب سے نوازا ہے جس سے اُن کی ادبی شخصیّت کا ایک واضح عکس نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ یہ القاب شخصِ مذکور کی ادبی و شخصی زندگی کے غمّاز ہیں۔ وہ مجنوں گورکھپوری کو قاموسُ الادب، ڈاکٹر احسن فاروقی کو قبلۂ اربابِ نظر، ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کو شہر یارِ نکتہ داں، محمد طفیل محمد نقوش کو بوئے گل، ڈاکٹر نجیب جمال کو مشکِ اذفر، ڈاکٹر سلیم اختر کو سخن ور، جابر علی سیّد کو قرارِ بے قراراں اور قرۃ العین حیدر کو مہ و سالِ عندلیب کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ القاب اِن شخصیات کی مجلسی و ادبی زندگی کی جھلک دکھاتے نظر آتے ہیں۔ جذبات اور احساسات سے بھرپور ہیں۔ خاکہ لکھتے ہوئے جن واقعات کے ربط سے خاکہ مرتّب کرتے ہیں وہ اُن کی تنقیدی بصیرت کو عیاں کرتے ہیں۔ بیدی کا خاکہ لکھتے ہوئے، وہ بیدی کے روز و شب کا فسانہ اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ جو جذبات اور احساسات سے بھرپور ہیں۔

لطیف الزّماں خاں کے خاکوں میں زیرِ لب تبسّم بھی ہے۔ طنز و مزاح کی آمیزش بھی ہے۔ وہ اپنے خطوط کے برعکس خاکہ لکھتے ہوئے محض دو دھاری تلوار کی طرح دکھائی نہیں دیتے بلکہ جب مودّت اور عقیدت کا رشتہ ہو تو ان کے خاکوں میں بھی یہ احترام اور محبت واضح محسوس کی جا سکتی ہے۔ لطیف الزّماں خاں اپنے خاکوں میں سماجی روابط کے تال میل سے شخصیّت کے رنگوں کو یوں اجاگر کرتے ہیں کہ خاکہ محض ایک سوانحی خاکے کے بجائے ادبیّت اور جاذبیّت کے رنگوں سے مُزیّن نظر آتا ہے۔ وہ جن واقعات کے امتزاج سے شخصیّت کا خاکہ مرتّب کرتے ہیں، اُس سے ان کی تنقیدی بصیرت اور بے تعصّبی کا اظہار ہوتا ہے۔ لطیف الزّماں خاں شخصیات کا خاکہ لکھتے ہوئے معاصر ادبی صورتِ حال کے پیرایے میں صاحبِ خاکہ کے عصر کا جائزہ اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ قاری، صاحبِ خاکہ کے عہد میں جینے لگتا ہے۔ لطیف الزّماں خاں کے خاکوں سے اُن کی عمیق قوتِ مشاہدہ کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ قرۃ العین حیدر اور بیدی کا خاکہ لکھتے ہوئے "Explore the writer through his article" کی راہ

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

اپناتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے جن شخصیات کے خاکے لکھے ہیں، اُن میں سے اکثر شخصیات اُن کے حلقۂ احباب یا مجلسی زندگی میں شامل رہی ہیں۔ لیکن جن شخصیات کا خاکہ انھوں نے رسمی مراسم کی بنا پر لکھا ہے، وہ ایسے کامیاب خاکے نہیں کہ جنھیں سراہا جا سکے۔ اس حوالے سے بات کرتے ہوئے، نظیر صدیقی کو اپنے ایک خط میں لطیف الزّماں خاں لکھتے ہیں، میں خود بھی خاکے لکھتا رہا ہوں، میری خاکہ نگاری میں جبر شامل تھا۔ "امروز" ملتان کے لیے لکھتا تھا۔ ایک خاکہ چھپ جاتا تو مجھے دوسرے کی فکر پڑ جاتی۔(۱۰)

مذکورہ بالا رائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاکہ جبراً لکھنے کی شے نہیں اور جس خاکے میں جبر شامل ہو جائے، وہ فنِ خاکہ نگاری کے اصول و ضوابط کے مطابق نہیں رہتا۔ لطیف الزّماں خاں کی خاکہ نگاری میں جبر، بحالتِ مجبوری، کچھ خاکوں میں نظر آتا ہے۔ یہ وہ خاکے ہیں، جو "امروز" ملتان کے لیے ایڈیٹر "امروز" کے ایما پر لکھے اور ان خاکوں میں "آمد" کے بجائے "آورد" کا عنصر غالب ہے۔ البتہ بحیثیتِ مجموعی یہ خاکے، فنِ خاکہ نگاری کے بنیادی اصولوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان میں اسلوب کی شائستگی اور خوش سلیقگی بھی ہے۔ لطیف الزّماں خاں، صاحبِ خاکہ کے فکر و فن کے امتزاج سے خاکے کے خدّوخال متعیّن کرتے اور توازن اور اعتدال کے ساتھ، شخصیّت کے رنگوں کو اجاگر کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے خاکے اُردو ادب کی خاکہ نگاری میں ادبیّت اور توازن کے آئینہ دار ہیں۔ لطیف الزّماں خاں نے بحیثیتِ مرتّب مختلف کتابوں کے دیباچے اور پیش لفظ تحریر کیے۔ ان کے دیباچوں میں اُن کا اپنا منفرد اُسلوبِ نگارش اور تحقیقی و تنقیدی بصیرت نظر آتی ہے۔ عبید اللہ علیم کی شعری تصنیف "چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں" میں وہ صاحبِ کتاب کی شاعری سے اُس کے عصر اور اُس کی فنی بصیرت کا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ مختلف اشعار کی تفہیم کے پیرایے میں مکمل گیرائی اور گہرائی کے ساتھ تجزیہ کرتے ہیں۔ وہ عبید اللہ علیم کے شعری استعاروں اور فکری و نظری تجربات سے مزّین اشعار کو سراہتے ہوئے اِس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ جب تجربہ روح کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے تو امیج، تجسیم کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور اس مقام پر شاعر الفاظ میں تصاویر کا نگار خانہ بناتا ہے۔(۱۱)

"غالبِ آشفتہ سر" اور "غالبِ نکتہ داں" غالب پر لکھے گئے بیش قیمت مضامین پر مشتمل مرتّبہ کتب ہیں۔ ان کتب کا دیباچہ ان کی غالب شناسی کا آئینہ دار ہے۔ "غالبِ آشفتہ سر" کے دیباچے بعنوان "آئینۂ اظہار" میں وہ غالب شناسوں کو بیش قیمت معلومات مہیا کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا دیباچہ خود ان کی اپنی علمی بصیرت کو عیاں کرتا ہے۔ وہ غالب کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مختلف کتب، رسائل اور نادر مضامین کا حوالہ دیتے

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ہوئے ایک طرف اپنی تحقیقی بصیرت سے آگاہ کرتے ہیں تو دوسری جانب عشاقانِ غالب کو، غالب شناسی کی نئی جہات سے آگاہ کرتے ہیں۔

''امروز'' ملتان مین لکھے گئے ان کے ادبی کالم پر مشتمل خاکے، جو وہ سہیل ربّانی اور لطیف عارف کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ ان کے بے ساختہ اسلوب، بے تکلف اندازِ بیاں، کبھی شرارت اور کبھی سنجیدگی کے امتزاج سے ایک ایسی ادبی فضا کی منظر کشی کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ جس کے رنگ لطیف الزّماں خاں کے قلم سے ایسے نکھر کر سامنے آتے ہیں کہ تا دیر قاری اس ادبی ماحول کی دل کشی اور ادبی فضا میں گم رہتا ہے۔ یہ کالم بیک وقت طنز، ظرافت، مزاح، ادبیّت اور علمیّت کا حسین امتزاج ہیں۔ بحیثیت کالم نگار یہ اُردو ادب کی کالم نگاری میں ایک خوشگوار اضافہ قرار دیے جاسکتے ہیں۔ لطیف الزّماں خاں کی ادبی زندگی کا ایک اور حوالہ جو ان کی تنقیدی بصیرت کا غمّاز ہے، وہ ملتان آرٹس فورم اور رائٹرز گلڈ ملتان کے تنقیدی اجلاسوں میں ایک مجلسی نقاد کی حیثیت سے ان کی بھرپور شرکت اور ناقدانہ رائے کے اظہار پر مبنی ہے، جس سے ان کی مجلسی زندگی کی گہما گہمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

لطیف الزّماں خاں کے تحقیقی و تنقیدی مضامین، مرتّبہ کتب، بحیثیتِ مترجم، ترجمہ کی گئی کتابوں اور اپنی زندگی کی تمام آسائشوں اور راحتوں کو پسِ پشت ڈال کر اپنے ذاتی خرچ سے خریدی گئی کتب پر مشتمل نایاب لائبریری اور بالخصوص غالب و رشید احمد صدیقی شناسی کے حوالے سے ان کی جانفشانی، خلوص اور ایثار سے اس بات کا بخوبی پتا چلتا ہے کہ انھوں نے عمرِ عزیز محنت، لگن، فنی دیانت داری اور خلوصِ نیّت سے گزاری۔ وہ ادبی سچ کے متلاشی رہے۔ ان کی انگلیاں، سچ کی آبیاری میں بارہا لہو لہو بھی ہوئیں مگر سچ کے راستے سے ہٹنا اُن کے لیے کسرِ شان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ادب و تحقیق کے راستے میں بے ایمانی، جعلسازی اور ادبی سرقے سے کام لینے والوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ ایک استاد کی حیثیت سے وہ علم دوست اور جویانِ علم کے رہبر و رہنما رہے۔ ایک غالب شناس کی حیثیت سے وہ، عشّاقِ غالب کا عَلَم تھامے ہر اوّل دستے میں رہے۔ عقیدت کے راستے پر چلے تو رشید احمد صدیقی کے ادبی کام کو یکجا کرتے ہوئے اور آنکھیں جھکائے، ''سجدۂ دل تیری چوکھٹ کا تمنّائی ہے'' کے مصداق صرف اور صرف رشید احمد صدیقی کے ہو کر رہے۔ انھیں نہ صلے کی پرواہ رہی نہ ستائش کی تمنّا۔ ساری زندگی اپنی کتابوں کے سلسلے میں احتیاط برتنے والے ایسے کہ خود سے کتاب کو جدا نہ کریں۔ جب ادب شناسوں اور طلبہ و اساتذہ کی تحقیقی پیاس بجھانے کا سوچا تو عمر بھر کی یہ کمائی اپنی وفات سے قبل، بہاءُ الدین زکریا یونیورسٹی کی سینٹرل لائبریری کو سونپ دی اور رہتی دنیا کو، ادب کے پرستاروں اور ادب شناسوں کو یہ پیغام دے گئے کہ

ے

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر
بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر
(تم بھی میری تب و تاب سے اپنا حصّہ لے لو کہ اس کے بعد پھر
مجھ جیسا مردِ فقیر نہ آئے گا)

بحیثیتِ مجموعی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لطیف الزّماں خاں اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ پاکستان کی ادبی تاریخ میں ایک عہد، ایک زمانے اور ایک دور کی بنیاد رکھنے والوں میں سے تھے۔ جو دور تحقیق، ادب شناسی، غالب اور رشید احمد صدیقی شناسی کا دور ہے۔ لطیف الزّماں خاں کی ادبی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ اپنے پیرایۂ اظہار میں نئے محققین اور سکالرز کو کتب بینی اور مشرق و مغرب کے ادبی روّیوں کو جان کر تحقیق و تنقید کے فروغ کا راستہ دکھاتا ہے نیز غالب اور رشید احمد صدیقی شناسی کے ساتھ ساتھ، انشائے لطیف الزّماں خاں کے رنگ میں حق بات کہنے، سمجھنے اور تنقیدی و تحقیقی بصیرت کو اپناتے ہوئے ادب کی خدمت کرنے اور طالبانِ علم کی حوصلہ افزائی کا عندیہ دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ لطیف الزّماں خاں، م۔ ندیم (علیگ)، ’’گلاب کی کاشت‘‘ مشمولہ شذراتِ رشید احمد صدیقی، مرتبین، لطیف الزّماں خاں، م۔ ندیم (علیگ)، (کراچی: مجلس ادبیاتِ مشرق، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۲

۲۔ لطیف الزّماں خاں، ’’مکتوب بنام نظیر صدیقی‘‘ مشمولہ انشائے لطیف (جلد چہارم)، مرتبہ: ڈاکٹر عارف محمود ثاقب، (ملتان: ملتان آرٹس فورم، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۹۹۔۲۰۰

۳۔ لطیف الزّماں خاں، ’’مکتوب بنام مہر الٰہی ندیم (علیگ)‘‘ مشمولہ انشائے لطیف (جلد سوم)، مرتبہ: ڈاکٹر عارف محمود ثاقب (ملتان: ملتان آرٹس فورم، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۱

۴۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر، ’’چانسلر کے گھر، وائس چانسلر کا تحقیقی سچ‘‘ مشمولہ روزنامہ دانشور، ۲۰۰۱ء

۵۔ ڈاکٹر مہ جبیں سے گفتگو، بذریعہ فون (تاثرات)، مورخہ ۳۰۔ جون ۲۰۲۰ء

۶۔ لطیف الزّماں خاں، ’’مکتوب بنام مہر الٰہی ندیم (علیگ)‘‘ مشمولہ انشائے لطیف (جلد سوم)، ص ۴۳۳

۷۔ ایوب شاہد، ڈاکٹر، ’’حرفِ آغاز‘‘ مشمولہ شارحینِ غالب کا تنقیدی مطالعہ (جلد اوّل) (لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء)، ص ۴

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

۸۔ عارف ثاقب، ڈاکٹر ،"غرضِ مرتّب" مشمولہ انشائے لطیف (خطوطِ لطیف الزّماں خاں بنام نظیر صدیقی)، مرتبہ:ڈاکٹر عارف محمود ثاقب (ملتان: ملتان آرٹس فورم، ۲۰۰۷ء)، ص۸۔۹

۹۔ لطیف الزّماں خاں، "مکتوب بنام ڈاکٹر عارف ثاقب" مشمولہ انشائے لطیف (جلد پنجم)، مرتبہ: ڈاکٹر عارف محمود ثاقب (ملتان: ملتان آرٹس فورم، ۲۰۱۲ء)، ص۵۶۷

۱۰۔ لطیف الزّماں خاں، "مکتوب بنام نظیر صدیقی" مشمولہ انشائے لطیف (خطوطِ لطیف الزّماں خاں، بنام نظیر صدیقی)، ص۲۴۱

۱۱۔ لطیف الزّماں خاں، "چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں" مشمولہ نقوش، جنوری ۱۹۷۶ء، ص۶۱۳